تنقید و تبصرہ

حیات امداد ؒ

حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ جو سلسلۂ دیوبند کے مورث اعلیٰ ہیں، زیر نظر کتاب ان کے سوانح حیات اور دینی و روحانی کمالات پر مشتمل ہے جسے مولانا محمد انوار الحسن شیرکوٹی پروفیسر اسلامیہ کالج لائلپور نے تصنیف کیا ہے اور شعبۂ تصنیف و تالیف مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن کراچی ۵ نے شائع کیا ہے۔

دراصل فاضل مصنف مشاہیرِ دیوبند کے عنوان سے ایک کتاب لکھ رہے ہیں اور حیات امداد اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

۱۸۵۷ء کے ہنگامۂ خونیں کے بعد برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کے دینی اور بالخصوص روحانی حلقوں میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی بڑی منبع فیوض و برکات شخصیت رہی ہے ۱۸۵۷ء سے پہلے اپنی عمر مبارک کے چوالیس سال آپ نے ہندوستان میں گزارے اور بعد کا چالیس سال کا زمانہ آپ کا جوارِ حرم میں گزرا۔ مکہ معظمہ کے دورِ ہجرت میں بھی حضرت حاجی امداد اللہ کا ہندوستان سے برابر تعلق رہا۔ اور نہ صرف بزرگان سلسلۂ دیوبند کے لئے ان کی ذات گرامی ایک مرشد و مقتدا کی رہی بلکہ دوسرے علماء و بزرگ بھی ان سے روحانی فیض حاصل کرتے رہے۔ نیز اسی زمانے میں مسلمانانِ ہند میں جو نزاعی دینی بحثیں چھڑ جاتی تھیں ان کے بارے میں اکثر اوقات حضرت حاجی صاحب کی طرف رجوع کیا جاتا تھا۔ اور اس ضمن میں حضرت کے جو ارشادات ہوتے تھے یہاں کے مسلمان انہیں بڑی عزت و احترام سے سنتے تھے۔

دارالعلوم دیوبند کے بانی مولانا محمد قاسم کا حکمت و معرفت اور علوم دینی میں جو بلند مقام

ہے اس سے کون ذی علم واقف نہ ہوگا۔ واقعہ یہ ہے کہ قدیم مکتب فکر میں شاہ ولی اللہ اور شاہ اسمعیل شہید کے بعد ہمارے ہاں مولانا محمد قاسم جیسا کوئی حکیم عالم دین ہنوز پیدا نہیں ہوا۔ اور مولانا محمد قاسم نانوتوی حاجی امداد اللہ صاحب کے مرید تھے، اسی طرح مولانا رشید احمد گنگوہی بھی حاجی صاحب سے بیعت تھے۔ اس کے علاوہ جیسا کہ مصنف نے لکھا ہے۔ آپ کے مریدوں میں سے کوئی پانچسو کے قریب علماء تھے۔ اور عوام کا تو کوئی حساب نہیں، بزرگان متاخرین میں سے مولانا اشرف علی تھانوی حضرت حاجی صاحب کے مرید تھے۔

حاجی صاحب ۲۲ صفر ۱۲۳۳ھ مطابق ۱۸۱۷ء کو ضلع سہارنپور کے قصبے نانوتہ میں پیدا ہوئے جہاں آپ کا ننہیال تھا۔ آپ کا آبائی وطن تھانہ بھون ضلع مظفر نگر تھا۔ گو آپ کی کتابی تعلیم زیادہ نہ تھی لیکن اللہ تعالٰی نے باطنی فیوض سے خوب نوازا تھا۔ مصنف لکھتے ہیں:۔ ایک شخص نے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ کیا حاجی صاحب عالم بھی تھے۔ آپ نے فرمایا "عالم ہونا کیا معنی۔ اللہ کی ذات پاک نے آپ کو عالم گر بنایا ہے۔" اسی ضمن میں مولانا اشرف علی صاحب کا ایک قول ہے۔ "حضرت حاجی صاحب نے صرف کافیہ تک پڑھا تھا۔ اور ہم نے اتنا پڑھا ہے کہ ایک اور کافیہ لکھ دیں۔ مگر حضرت کے علوم ایسے تھے کہ آپ کے سامنے علماء کی کوئی حقیقت نہ تھی ہاں اصطلاحات تو ضرور نہیں بولتے تھے۔"

حاجی صاحب کی اپنی تصنیفات ہیں جن میں شرح مثنوی مولانا روم اور آپ کے ملفوظات و مکتوبات خاص طور سے مشہور ہیں لیکن آپ کی زندہ تصنیف مولانا محمد قاسم تھے اس سلسلے میں مولانا اشرف علی کا ارشاد ہے۔

"مؤلف (یعنی مولانا اشرف علی) نے اکثر زبان حق ترجمان حضرت (حاجی امداد اللہ صاحب) سے سنا ہے کہ آپ نے بیان فرمایا کہ مولوی محمد قاسم مرحوم کو میری زبان بنایا تھا۔ جیسے مولانا روم کو حضرت شیخ تبریز قدس سرہ کی زبان بنایا تھا۔"

حضرت حاجی صاحب طریقت و معرفت میں مرد کامل ہونے کے ساتھ ساتھ جہاد و غزا میں بھی پیش پیش تھے چنانچہ ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں آپ کے ہاتھ پر جہاد کی بیعت کی گئی۔ بیعت کرنے والوں میں مولانا محمد قاسم، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا حافظ محمد ضامن شہید اور دوسرے بزرگ تھے۔

انہوں نے شاملی کا معرکہ بھی سر کیا تھا۔ ناکامی کے بعد جب آپ کی گرفتاری کے احکام صادر ہوئے تو آپ سندھ کے راستہ بچ کر نکل گئے، اور وہاں سے مکہ معظمہ تشریف لے گئے اس کے بعد آپ واپس وطن نہیں آئے۔

تصوف، جذبہ جہاد اور شاہ ولی اللہ کے خانوادۂ علمی سے انتساب۔ یہ چیزیں تھیں جنہوں نے حاجی صاحب میں وہ غیر معمولی اوصاف پیدا کئے کہ ان کے عقیدت مند کسی ایک مکتب خیال تک محدود نہ تھے، اور ان کا اسلامی مسائل کے متعلق نقطۂ نظر اتنا وسیع تھا۔ جس میں کہ تنگ دلی اور مذہبی فرقہ واریت کا گزر نہیں تھا۔ مدرسہ دیوبند کے بانی مولانا محمد قاسم حضرت حاجی صاحب کے مرید تھے۔ اور مدرسہ کے قیام میں حضرت کی آرزوؤں اور دعاؤں کا بھی بڑا ہاتھ تھا۔ مصنف نے کتاب علمائے حق کے حوالے سے لکھا ہے کہ

> قیام دارالعلوم کے بعد اسی جماعت کے ایک بزرگ (مولانا رفیع الدین صاحب) جب حج بیت اللہ کے لئے مکہ معظمہ میں حاضر ہوئے تو وہاں سیدنا حضرت حاجی امداداللہ سے عرض کیا۔ ہم نے دیوبند میں ایک مدرسہ قائم کیا ہے۔ اس کے لئے دعا فرمایئے۔

حضرت حاجی صاحب نے دلچسپ انداز میں فرمایا۔

> "سبحان اللہ آپ فرماتے ہیں ہم نے مدرسہ قائم کیا ہے۔ یہ خبر نہیں کہ کتنی پیشانیاں اوقات سحر میں سربسجود ہوکر گڑگڑاتی رہیں کہ خداوندا ہندوستان میں اسلام اور تحفظ اسلام کا کوئی ذریعہ پیدا کر۔ یہ مدرسہ انہی سحرگاہی دعاؤں کا ثمرہ ہے۔ یہ دیوبند کی قسمت ہے کہ اس دولت گراں قدر کو یہ سرزمین لے اڑی"۔ علمائے حق ۔ جلد اول

لیکن اس کے باوجود جب مولانا سید محمد علی مونگیری نے ندوۃ العلماء کی تحریک کی داغ بیل ڈالی اور ہر مکتب خیال کے علماء کو اس تحریک میں شامل ہونے کی دعوت دی اور ایک حد تک مختلف مکاتیب کے علماء ندوۃ العلماء کے مشترک پلیٹ فارم پر جمع بھی ہوگئے، تو بعض مذہبی حلقوں کی طرف سے اس تحریک کی مخالفت کی گئی۔ اس موقع پر مولانا مونگیری نے حضرت حاجی صاحب سے اس بارے میں استصواب کیا۔ اور انہوں نے جب اس تحریک کے حق میں پیغام مرحمت فرمایا۔ تو اس سے

اسے بڑی تقویت پہنچی۔ یاد رہے کہ مولانا مونگیری بانی ندوۃ العلماء نے حاجی صاحب سے طریقت کے چاروں سلسلوں کی اجازت لی تھی۔ اور آپ نے انہیں ایک تسبیح اور ایک چادر بھیجی تھی۔

مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے معاملے میں حضرت حاجی صاحب کا یہ وسیع اور صلح کل مشرب بعض اور امور میں بھی نمایاں تھا۔ اس سلسلے میں مصنف لکھتے ہیں۔

"حاجی صاحب کی ایک خاص صفت جو اولیائے کرام میں ان کا خاص طرۂ امتیاز تھا، ان کی وسعت قلبی اور رواداری تھی۔ کسی کی دل شکنی تو ان کے مذہب میں قطعاً معانہ تھی۔ کسی سے معاصرانہ چشمک کا دور دور تک نشان نہ تھا۔ اس قسم کے مصلح تھے کہ دیوبندی، بریلوی، غیر مقلد غرض کہ ہر عقیدے کے لوگ آپ سے مرید تھے لیکن کسی کے عقیدے سے غرض نہ رکھتے تھے۔ صرف اصلاح سے کام تھا۔ ایک دفعہ ایک غیر مقلد آپ کا مرید ہوگیا، لیکن اس نے جلد ہی امین بالجہر اور رفع یدین ترک کر دیا آپ نے اس کو بلا کر فرمایا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے امین بالجہر اور رفع یدین ترک کر دیا ہے۔ کیا یہ خود ایسا کیا ہے یا ہماری وجہ سے۔ اگر ہماری وجہ سے ایسا کیا ہے تو بھائی ایسا نہ کرو۔ میں ترک سنت کا باعث کیوں بنوں۔ سنت یہ بھی ہے اور وہ بھی۔ اور اگر اپنی مرضی سے ایسا کیا ہے تو خیر۔ اس نے عرض کیا۔ حضرت! میں نے اپنی مرضی سے ایسا کیا ہے۔"

اس کے بعد مصنف لکھتے ہیں۔ اس حکایت سے حاجی صاحب کی وسعت قلبی کا گہرا نقش دل پر ثبت ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی وسعت خیالی کے باعث آپ سے ہر عقیدے کا مسلمان بخوشی بیعت کرتا اور وہ خود بخود اصلاح کی طرف مائل ہو جاتا آپ کا طریقہ ہر شخص سے رواداری اور نرمی کا تھا۔

زیر نظر کتاب کے ابتدائی پچاس صفحوں میں مصنف نے دارالعلوم دیوبند اور ان سے منتسب علمائے کرام کی دینی و ملی خدمات پر تبصرہ کیا ہے۔

"علمائے دیوبند کا اعتقادی پہلو" کے زیر عنوان مصنف لکھتے ہیں:۔ علمائے دیوبند اپنے عقائد و اعمال میں اعتدال اور میانہ روی کا رنگ رکھتے ہیں۔ وہ توحید و رسالت احکام قرآن و سنت پر سختی سے عامل نظر آتے ہیں۔ البتہ شرک و بدعت کا استیصال اپنا فریضۂ اولین سمجھتے ہیں

وہ امام اعظم امام ابوحنیفہ کے مقلد ہیں۔ اولیائے کرام اور بزرگان دین کی عظمت بلکہ کرامت کے قائل ہیں۔ ان کے یہاں رشد و ہدایت اور روحانی تعلیم دونوں کا سلسلہ ساتھ ساتھ ہے وہ اپنے ظاہری علوم کے اعتبار سے خاندان ولی اللہی کے شاگرد ہیں تو روحانی طور پر وہ حاجی امداداللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھانوی مہاجر مکی کے مرید ہیں۔

"تکفیر سے تا بمقدور احتیاط اور اسلامی فرقوں سے رواداری" کے عنوان کے تحت مصنف نے مولانا محمد قاسم کے یہ ارشاد نقل فرمائے ہیں۔

"فی زمانہ کفر کا غلبہ ہے۔ وقت نہیں ہے کہ سلمانوں میں تفریق کو ہوا دی جائے۔ جس سے ان کا کلمہ منتفرق ہو کر مزید ضعف پیدا ہو بلکہ توڑنے کی بجائے جوڑنے کی فکر کی جائے۔ (سوانح قاسمی جلد اول ص۴۹)

دوسرا ارشاد یہ ہے۔

ایک اور جگہ کسی شخص کے علم غیب کے مسئلے پر پوچھنے کے بارے میں مولانا محمد قاسم صاحب نے فرمایا۔

"مسلمانوں میں کون ایسا ہے کہ قرآن کریم پر اس کا دین و ایمان نہ ہو۔ اس لئے جہاں تک گنجائش ہو کسی کو کافر نہ جاننا چاہیئے۔ (ترجمہ از فارسی)

آج دینی مشرب اور اسلامی فرقوں میں رواداری کی روح پیدا کرنے کی جتنی شدید ضرورت ہے بڑی خوشی کی بات ہے کہ مصنف نے اس کتاب کی ترتیب میں اس ضرورت کو پیش نظر رکھا ہے حضرت حاجی صاحب کے سوانح جہاں پر اس طرح بحث کی ہے کہ آپس کی فرقہ وارانہ کدورتیں کم ہوں۔ زیر نظر کتاب کی یہ خاص خوبی ہے۔

انگریز کے خلاف جدوجہد برصغیر کی آزادی اور مملکت پاکستان کے قیام کے سلسلے میں مصنف نے علمائے دیوبند کے کارناموں کا ذکر کرتے ہوئے مولانا اشرف علی تھانوی مرحوم کا ایک بڑا دلچسپ ارشاد نقل کیا ہے۔

مولانا شبیر علی مولانا مرحوم کے بھتیجے اور آپ کے خادم خاص تھے۔ مئی ۱۹۳۸ء میں انہیں مخاطب کرتے ہوئے مولانا مرحوم نے فرمایا۔

"میاں شبیر علی! ہوا کا رخ بتا رہا ہے کہ لیگ والے کامیاب ہو جائیں گے اور بھائی جو سلطنت ملے گی وہ انہی لوگوں کو ملے گی جن کو آج سب فاسق فاجر کہتے ہیں۔ مولویوں کو تو ملنے سے رہی لہٰذا ہم کو یہ کوشش کرنا چاہیئے کہ یہی لوگ دیندار بن جائیں۔ اور بھائی آج کل کے حالات ایسے ہیں کہ اگر سلطنت مولویوں کو مل بھی جائے تو شاید مولوی چلا بھی نہ سکیں۔ یورپ والوں سے معاملات، ساری دنیا سے جوڑ توڑ ہمارے بس کا کام نہیں اور سچ تو یہ ہے کہ سلطنت کرنا دنیا داروں ہی کا کام ہے مولویوں کو یہ کرسیاں اور تخت زیب نہیں دیتے۔ اگر تمہاری کوشش سے یہ لوگ دین دار اور دیانت دار بن گئے اور پھر سلطنت انہی کے ہاتھوں میں رہی، تو چشم ما روشن دل ما شاد کہ ہم سلطنت کے طالب ہی نہیں ہم کو تو صرف یہ مقصود ہے کہ جو سلطنت قائم ہو، وہ دیندار اور دیانت دار لوگوں کے ہاتھ میں ہو۔ اور بس تاکہ اللہ کے دین کا بول بالا ہو۔"

یہ سنکر مولوی شبیر علی نے عرض کیا کہ پھر تبلیغ نیچے طبقے یعنی عوام سے شروع ہو یا اوپر کے طبقے یعنی خواص سے۔ اس پر ارشاد فرمایا۔

اوپر کے طبقے سے کیونکہ وقت کم ہے اور الناس علی دین ملوکھم اگر خواص دین دار اور دیانت دار بن گئے تو انشاء اللہ عوام کی بھی اصلاح ہو جائے گی۔

(بحوالہ تعمیر پاکستان اور علمائے ربانی)

کتاب مجلد ہے بڑے سائز کے ۱۷۷ صفحات۔

اس سلسلہ کی دوسری کتاب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی پر ہوگی۔ ہم بڑے اشتیاق سے مصنف کی اس تصنیف کا انتظار کرتے ہیں۔

تہافتہ الفلاسفتہ (اردو ترجمہ)

از امام احمد غزالی۔ مترجم ڈاکٹر میر ولی الدین سابق پروفیسر صدر شعبہ فلسفہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد ہندوستان

حضرت امام نے کتاب تہافتہ الفلاسفتہ اپنے عہد کے فلاسفہ کے رد میں لکھی تھی جس میں فلسفیوں کی خوب خبر لی گئی ہے۔ ان کی بے مائیگی، تضاد فکر اور انتشار خیال کو اچھی طرح ظاہر کیا گیا ہے۔ ان ہی کے ہتھیار کو ان کے خلاف استعمال کیا گیا ہے اور اس حقیقت کو بخوبی واضح کر دیا گیا ہے کہ فلسفیوں کے مقدمات اور